www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

پروفیسر منظور احسن عباسی

قسط نمبر ۲

اسلامی نظامِ حیات اور جدید رجحانات

تدبرِ قرآن

قرآنِ حکیم نے انسانی زندگی کے دو شعبے قرار دیے ہیں ان میں سے ایک کو ہم تقاضائے حیات سے اور دوسرے کو مقاصدِ حیات سے تعبیر کر سکتے ہیں یہ فکری الجھنیں محض اس لیے پیدا ہوتی ہیں کہ ہم نے ان تقاضا ہائے حیات کو مقاصدِ حیات تصور کر لیا ہے۔ کھانے پینے کی خواہش، جنسی میلانات، عیش و آرام کی طلب، خوب سے خوب تر کی تلاش، جمالیاتی ذوق، مکارہ سے بیزاری، حادثات سے تحفظ، زندگی سے محبت، مرض اور موت سے نفرت اور جبلتی ارتقائی رجحانات انسانی زندگی کے لوازمات یا تقاضوں میں سے ہیں۔

کیسی غلطی ہوگی اگر ہم ان تمام امور کو یا ان میں سے کسی ایک تقاضائے حیات کو عین مقصدِ حیات تصور کریں مثلاً شکم پُری جو تقاضائے حیات میں سے ہے اسی کو زندگی کا مقصدِ محض قرار دے لیا جائے۔ اور انسان اپنی تمام جد و جہد صرف اسی مقصد پر مرکوز رکھے کہ کسی نہ کسی طرح پیٹ بھر کر روٹی مل جائے، تو کیا ہماری زندگی کو حشرات الارض یا جانوروں کی زندگی سے ممتاز سمجھا جا سکتا ہے؟ اسی طرح اگر کوئی فلسفۂ حیات یہ کہتا ہے کہ انسان محض نفسانی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور اس کی تمام تر مساعی کا اسی تقاضے کی تسکین کے لیے صَرف ہونا عین [illegible] کامرانی ہے تو کیا کوئی بصیرت اس کی تائید کر سکتی ہے؟

علم النفس کے ان فلسفوں کو عہدِ حاضر میں جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے اس کا سبب وہی فکری کج روی ہے کہ ہم نے زندگی کے تقاضوں کو عین مقاصد قرار دیا۔ مسلمانوں کے بعض دانشور طبقے جو مادہ پرست اقوام کے زیرِ اثر ہیں، اسی خلفشار میں مبتلا ہیں۔ اسی خلفشار کی تسکین کے لیے قرآنی آیات کی معنوی تحریف کی جاتی اور اسی مقصد کے لیے مسلمانوں کی بعض بااثر ہستیوں کو آلۂ کار بنانے کی

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کوشش کی جاتی ہے۔

اس کی ایک واضح مثال وہ ہے جو آج کل اقبال کے ایمانی عقائد کی تعبیر قوم پرستانہ نظریات سے کی جا رہی ہے اور اس کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ قرآن حکیم کو محض مادی ترقیات کا نصاب بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

یہاں پر ہم قرآن حکیم کے ان ارشادات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں جن سے بنیادًا غلط ہیں، یا دانش مندانِ بے دین نے مادی ترقی کے انہماک ہی کو قرآنی تعلیم کا مقصد قرار دیا ہے اور اس کے لیے آیتِ تسخیر کو دلیل لاتے ہیں یعنی:

"سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ" (الجاثیہ: ۱۳)

اس اللہ نے تمہارے لیے زمین و آسمان کی تمام اشیاء کو مسخر کیا ہے۔

"وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ" (النحل: ۱۲)

اور اس نے تمہارے لیے رات، دن، سورج اور چاند کو مسخر کیا۔

"وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ" (ابراہیم: ۳۲) اس نے تمہارے لیے نہروں کو مسخر کیا۔

اس قسم کی متعدد آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ یہ فرمایا ہے کہ کائنات کی ہر چیز انسان کے لیے ہے۔ اس کی ترجمانی کرتے ہوئے اقبال نے کہا ہے:

؎ جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے

اور اسی خیال کو سعدی نے دُہرایا ہے کہ:

؎ ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار

کہ چاند سورج اور عناصر سب انسان کے کام میں لگے ہوئے ہیں لیکن ان سب کا منشا یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے انسان کے فطری اور ارتقائی تقاضوں کی تکمیل میں سرگرم ہے گویا تخلیقِ کائنات کا اصل مقصد انسانیت کی تکمیل ہے۔ بدقسمتی سے اس کا یہ الٹا مطلب لیا گیا کہ انسانی زندگی کا مقصد ان تقاضوں کی تکمیل ہے۔ اس بنیادی کج فہمی کی بنا پر قرآنی تعلیمات کے اصل مقصد کو نظر انداز کر دیا گیا اور ہر وہ فرد یا ملت جس نے انسانیت کے ارتقائی منازل کی طرف قدم بڑھایا، اس کو قرآن حکیم کی آیات و ارشادات الٰہی پر کاربند تصور کر لیا گیا۔ تسخیرِ کائنات کی اصطلاح کو انسانی زندگی کے مقاصد عالیہ میں شمار کیا جانے لگا۔

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اس عہد کے بے شمار ادیب، شاعر اور فلسفی تسخیرِ کائنات کے قصائد مرتب کرنے میں مصروف ہیں اور یہ کسی نے نہ سمجھا کہ تسخیر کائنات تو بڑی چیز ہے، صحرائے اعظم کے ایک ذرے اور بحرِ محیط کے ایک قطرے کو بھی انسان مسخر نہیں کر سکتا۔

کیونکہ عملِ تسخیر صرف اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے۔ تسخیر کا لفظ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے لیے استعمال فرمایا ہے۔ مثلاً:

"سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى" (لقمان: ۲۹)

یعنی چاند اور سورج اللہ تعالیٰ کے تابعِ فرمان ہیں، یہ سب ایک مقررہ عرصہ تک جاری رہیں گے۔

"سُبْحٰنَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا" (زخرف: ۱۳) وہ کیسی پاک ذات ہے جس نے اس کو اپنا تابع فرمان بنایا تاکہ ہم مستفید ہوں۔

"وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ" (الجاثیہ: ۱۳)

اس نے آسمان و زمین کی ہر شے کو تابع فرمان بنایا تاکہ ہم اس سے مستفید ہوں ——— یہ سب کچھ اسی کا کیا دھرا ہے۔

ان آیات سے واضح ہے کہ تسخیر کائنات ہمارا کام نہیں۔ یہ تو اسی کا کام ہے۔ البتہ اس کی تسخیر جس طرح پر اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے ہم اس سے جس قدر چاہیں مستفید ہو سکتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہر جگہ تسخیر کا مقصد اشیائے کائنات میں ان کی خصوصیات و صلاحیات کی جکڑ بندی ہے۔ آگ اگر حرارت کی خاصیت میں جکڑی ہوئی نہ ہوتی تو آخر کوئی شخص اس سے روٹی کیوں کر پکا سکتا۔ اسی طرح ہر چیز کے اجزا لکر خالق کائنات کی خصوصی اور مقرر کردہ خاصیتوں کے حامل ہیں۔ کان سے دیکھنے کا کام نہیں لیا جا سکتا اور آنکھ سننے کی قوت نہیں رکھتی اور یہ پابندی اس لیے ہے کہ انسان کے لیے تقاضا ہائے حیات کی تکمیل میں سہولت ہو۔ اگر اشیاء و اجزاءِ اشیاء اپنے خواص کی جکڑ بندی میں نہ ہوتے تو انسان کا کوئی تمدنیاتی اور فطری تقاضا کبھی پورا نہ ہو سکتا۔ لیکن تسخیرِ کائنات کی اس مصلحت کو انسانی زندگی کے غرض و غایت سے کوئی تعلق نہیں۔

قرآنِ حکیم میں اس کی نہایت واضح دلیل ہے:

"اَلَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرۃ - ع ۳)

یعنی اللہ وہی ہے جس نے زمین کو تمہارا فرش اور آسمان کو تمہاری چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا۔ پھر اس کی تاثیر سے پھل پیدا ہوئے تاکہ تمہارے لیے خوراک حاصل ہو۔ تو اب جان بوجھ کر کسی اور کو اس کا شریک نہ بنانا۔

یہ آخر کا فقرہ ہی دراصل حیاتِ انسانی کا مقصد ہے اور سعدی نے بھی یہی کہا ہے:

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند   تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار   شرطِ انصاف نہ باشد کہ تو فرمان نبری

یعنی تمام کائنات انسانی زندگی کی بحالی کے لیے ہے تو انسان کو بھی لازم ہے کہ وہ وحدانیتِ الٰہی سے سرتابی نہ کرے۔ اقبال کا کہنا بھی یہی ہے کہ:

نہ تو زمیں کے لیے ہے، نہ آسماں کے لیے   جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے

جہان کا انسان کے لیے ہونا یہی ہے کہ انسان جہان بھر سے اپنی زندگی کے تقاضے پورے کرے لیکن یہ ہرگز مراد نہیں کہ زندگی کے تقاضوں کے ان اسبابِ تکمیل ہی کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دے اور جہان ہی کا ہو کر رہ جائے۔

انسان اور کائنات کا باہمی تعلق

انسان اور کائنات کے باہمی تعلقات کا یہی پہلو شعرِ اقبال میں فلسفۂ خودی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لیکن عہدِ حاضر کے اہلِ دانش نے خودی کے اس وسیع اور ہمہ رس نظریے کو نامۓ تشکم کے دائرے میں محدود کر دیا۔ شارحینِ اقبال میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے خودی کے تصور کو تسخیرِ کائنات کی بے مقصد اصطلاح سے نہ جوڑ دیا ہو، ان کے درسِ خودی کو انسانی صلاحیتِ عمل و فکر کا درس قرار دے کر تمام مادی ترقیات کا مرکزِ ثقل نہ سمجھ لیا ہو۔

بلاشبہ اقبال کے اپنے الفاظ میں خودی کا مفہوم محض احساسِ نفس یا تعینِ ذات ہے۔ لیکن اس احساسِ نفس کی تعبیر وہی ہے کہ انسان جس کے لیے تمام جہان بنا ہے، خود جہان کے لیے وقف ہو کر نہ رہ جائے۔ نفسِ انسانی کے تقاضے کو نفسِ انسانی کا مقصد تصور کر لینا ہی خودی کے مقام سے گر جانا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن اشیاء کو انسان کی خدمت پر مامور فرمایا ہے انسان اپنے ان خدام کے آگے سجدہ ریز ہو۔

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

قرآن حکیم میں ایک ایسی قوم کا ذکر ہے جس نے غیر اللہ کی پرستش کر کے گویا اپنی خودی کو کھو دیا تھا۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل دریائے نیل کو عبور کر کے ایک ایسے مقام پر پہنچی جہاں کے لوگ بتوں کی پرستش میں معروف تھے۔ انہیں دیکھ کر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ "یہ لوگ اصنام کی پرستش کرتے ہیں، اسی طرح کا کوئی معبود ہمارے لیے بھی بنا دیجئے۔" حضرت موسیٰؑ نے عاکفینِ اصنام کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلَٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ (الاعراف: ۱۴۰)

یعنی کیسے ممکن ہے کہ میں معبودِ حقیقی کے علاوہ کوئی اور معبود تمہارے لیے تلاش کروں، حالانکہ تم کو خود سارے جہاں پر فضیلت حاصل ہے۔

انسان کا سارے جہاں سے افضل ہونا ہی اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ کسی شے کے سامنے سجدہ ریز نہ ہو۔ غیر اللہ سے یہی بغاوت خودی ہے اور اسی کا نام کفر بالطاغوت ہے:

وَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ (البقرۃ: پ۳ ع۲)

یعنی جس نے شیطان سے کفر کیا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے مضبوط دستاویز کو پکڑ لیا۔

کلامِ اقبال میں ہر جگہ خودی سے کفر بالطاغوت ہی عبارت ہے لیکن مادی ترقیات کی چاشنی نے بہت سے لوگوں کو خودی کے صحیح مفہوم سے بیگانہ رکھا اور اس سے ہر شخص نے یہی سمجھا کہ اقبال نے انسان کی اعلیٰ صلاحیتوں کو کام میں لا کر حصولِ ترقیات کا درس دیا ہے۔ حالانکہ حصولِ ترقیات خواہ کتنا ہی جاذبِ نظر ہو، اس کا نتیجہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ـــــــ کہ خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟ ـــــــ

یہ مقام صرف اسی کا حق ہے جو تمام جہاں سے بغاوت کر کے اللہ کا ہو رہے۔ دنیا کی کوئی سربلندی ایسی نہ ہو جس کے لیے انسان اپنا سر جھکائے اور اپنی خودی کو اپنے ہاتھوں برباد کرے۔ اقبال کے نزدیک مرگِ خودی کے لیے سوا اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ انسان غیر اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو، ہر چند کہ دانشورانِ اسلام نے توحید کی عظمت اور شرک کی مذمت میں بے شمار تالیفات کیں۔ عقائد کی کتابیں ایسے مضامین سے پُر ہیں جن میں وحدانیتِ الٰہی کا درس اور شرک بیزاری کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

لیکن اس مدعا کے حصول کا وہ نصاب جو اقبال نے پیش کیا ہے۔ وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد ہے۔ علمائے اسلام، مشائخ اور صوفیائے کرام نے مظاہر کائنات سے نقطۂ باری تعالیٰ کے دلائل اخذ فرمایا

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ہے۔ پہلے منطقی براہین سے فقط باری تعالیٰ کو ثابت کیا۔ پھر باری تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کے واسطے سے شرک کی نفی کی لیکن اقبال کے مکتبہ فکر نے سب سے پہلے شرک سے بیزاری کی تلقین فرمائی۔ اور اس کے دلائل کو معرفتِ نفس یا خودی کے تصور سے وابستہ کیا۔

اقبال کا فلسفہ ہمیشہ بڑی حد تک امام غزالیؒ کے اس نظریہ سے ماخوذ ہے کہ اللہ کی معرفت نفس کی معرفت پر موقوف ہے۔ امام غزالیؒ کے نزدیک معرفتِ نفس ہی سے اللہ کی ہستی کا سراغ ملتا ہے۔

اقبال معرفتِ نفس سے محض وجودِ باری تعالیٰ کا استدلال نہیں کرتے بلکہ نہایت سیدھے سادے دلائل کے ناگزیر نتائج کی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ:

"جو شخص اپنی ہستی کی حقیقت جان لے گا وہ کبھی کسی کے سامنے سجدہ ریز نہ ہوگا"

اور یہی معرفتِ خویشتن یا احساسِ نفس یا خودی ہے۔ اس کی قرآنی دلیل یہ ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ نے انسان کو من حیث النوع اشرف و احسن وافضلِ خلائق فرمایا ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ ایک اشرف ہستی ادنیٰ کے آگے سربسجود ہو"

اقبال کے نزدیک بجا طور پر شناعتِ شرک کفر سے زیادہ ہے۔ خدا کا مطلق انکار بلاشبہ بدترین معصیت ہے۔ لیکن غیر خدا کو خدا بنا لینا اس سے بھی بڑی معصیت ہے۔

؎ منکرِ حق نزدِ ملّا کافر است
منکرِ خود نزدِ من کافر تر است

منکرِ خود سے ان کی مراد وہی شخص ہے جس نے غیر اللہ کے آگے سر جھکا کر اپنی خودی کے شرف سے انکار کر دیا ہے۔ کیونکہ خودی کے اعتراف کی صورت یہی ہے کہ انسان شرک باللہ سے نجات حاصل کرلے۔ جس طرح قرآنِ حکیم نے بھی کفر بالطاغوت کو ایمان باللہ کی شرطِ اوّلین قرار دیا ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اسی طرح اقبال بھی خودی کے استحکام کو وحدانیت کی بنیاد مقرر کرتے ہیں۔

؎ مصطفےٰ اندر حرا خلوت گزید   مدتے جز خویشتن کس را ندید

کے معنی یہ ہیں کہ پیغمبرِ اسلامؐ کو بھی رسومِ مشرکانہ کے ترک یعنی احساسِ خودی ہی سے معرفتِ حق حاصل ہوئی اور درسِ خودی سے اقبال کا مقصد بھی یہی ہے۔

انسان کا مقصدِ زندگی: بدقسمتی سے ہم اقبال کے درسِ خودی کا پیوند انسان کی ایسی اولوالعزمانہ

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

صلاحیتوں سے جوڑتے ہیں جس سے محض مادی مدارج حاصل ہوں۔ اقبال کے مداحوں کے نزدیک خودی کا زیادہ سے زیادہ اور بلند سے بلند مقصد یہ ہے کہ انسان تسخیرِ کائنات کی قدرت حاصل کرے۔ حالانکہ یہ امر بجائے خود تحصیلِ حاصل کا مصداق ہے۔ دنیا میں کون سا انسان ایسا ہے جو تسخیرِ کائنات کے عمل میں منہمک نہ ہو۔ ایک بے خبر جاہل انسان خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان اپنے کھیت سے غلہ کی پیداوار کے لیے آسمانی، زمینی اور فضائی قوتوں سے بھرپور استفادہ کرتا ہے۔ ہمارے گھر کی ماما آگ اور پانی کے عناصر ہی سے کام لے کر کھانا پکاتی ہے اور کائنات سے یہ استخدام بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک ماہر جواہرات اپنے دارالتجربہ میں بیٹھا ہوا جوہری توانائی سے استفادہ کی راہیں سوچ رہا ہو یا ماہرِ برقیات بجلی سے چلنے والی کلیں تیار کرنے میں مصروف ہو۔ لیکن کوئی دانشمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ انسانی زندگی کا مقصد ہی یہ ہے کہ کھیتی باڑی کرے روٹی پکائے یا جوہری اور برقی قوتوں سے ایجادات و اختراعات کرتا رہے۔ اب اگر کوئی ذہن خودی کے اس اعلیٰ مقصد کو نظر انداز کر کے تکمیلِ خودی کی یہ غایت سمجھے کہ:

"جب انسان کو اس حقیقت کا علم حاصل ہو جائے گا کہ میں اگر کوشش کروں تو کائنات پر حکمران ہو سکتا ہوں"

تو لا محالہ اس کے اندر اپنی خودی کی تربیت کا جذبہ پیدا ہو گا۔ اس لیے احساسِ خودی کے بعد اقبال نے تربیتِ خودی کا مفصل پروگرام پیش کیا ہے جیسا کہ بعض مستند دانشمندوں نے فرمایا ہے۔ گویا احساسِ خودی، تربیتِ خودی کی اصل غایت کائنات پر حکمرانی ہے۔ اول تو کائنات پر حکمرانی یا تسخیرِ کائنات بجائے خود ایک بے معنی تصور اور یا ایک آرزوئے بے محال ہے کیونکہ خالقِ کائنات کے سوا کائنات پر حکمرانی کسی کی ہو ہی نہیں سکتی۔ ہاں اگر اس کا یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات سے مستفید ہونے کا سب سے زیادہ اہل بنایا ہے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس لحاظ سے ہر انسان کافر یا مسلمان، مشرق کا ہو یا مغرب کا ہو۔ خواہ وہ احساسِ خودی یا تربیتِ خودی کے مفہوم سے بھی نا آشنا ہو، کائنات پر حکمرانی کر رہا ہے۔ گلستانِ سعدی کا آغاز ہی اس طرح ہوتا ہے کہ:

"ہر نفسے کہ فرو مے رود ممدِ حیات ست و چوں برمے آید مفرحِ ذات

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

پس در ہر نفسے دو نعمت موجود و بر ہر نعمتے شکرے واجب؟

یعنی ہر سانس جو اندر جاتا ہے وہ زندگی بخش، اور جب باہر آتا ہے تو فرحت بخش ہوتا ہے۔ لہذا ایک بار سانس لینے پر دو نعمتیں ہیں اور ہر نعمت پر شکر واجب ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر متنفس دم بدم تسخیر کائنات کرتا ہے لیکن سعدی نے زندگی کے اس عملِ تسخیر کو مقصدِ زندگی نہیں بتایا بلکہ زندگی کا مقصد شکرانِ نعمت ہے۔

اس طویل بحث کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ انسانی زندگی کا مقصد تسخیر کائنات قرار دیتے ہیں وہ لوگ جو اسلام اور قرآن کی تعلیمات کا نچوڑ ہی یہ سمجھتے ہیں کہ انسان کا مادی ترقیات میں گوئے سبقت لے جانا ہی قرآن اور اسلام کی تعلیم ہے، وہ سخت ظالم ہیں۔ ان کا یہ ظلم اسلام پر بھی ہے اور قرآن پر بھی۔

کیونکہ نہ اسلام ایسے ردی مقاصد کا علم بردار ہے اور نہ قرآن چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اشرف ترین مخلوق کو مادیات کے مزبلہ میں پھینک دے۔ اسلام اور قرآن دونوں ان سے کہیں بلند مقاصد کی رہنمائی کراتے ہیں۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ

یعنی دنیا ایماندار کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان دنیا میں ذلت، محنت کشی اور بے بسی کے لیے ہے اور کافر ناز و نعیم دنیا سے بہرہ ور ہونے کے لیے پیدا کیا گیا ہے بلکہ اس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ ایک ایماندار کی دنیوی زندگی خواہ کتنی ہی شاندار ہو آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں قید خانے کی زندگی سے کم نہیں۔ لیکن کافر کی زندگی خواہ کتنی ہی خستہ حالی اور مصائب میں بسر ہو آخرت کی ذلت آمیز اور پُر عذاب زندگی کے مقابلہ میں گویا بہشت کی زندگی ہے۔

؎ حورانِ بہشتی را دوزخ بود اعراف — از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

لہذا قرآن کریم جن مقاصدِ عالیہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ وہ مادی ترقیات نہیں بلکہ روحانی ترقی کا حصول ہے اور یہی اعظم المقاصد اور غایت المرام ہے۔ (جاری ہے)

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ